مولانا مشتاق احمد چنیوٹی
جامعہ اسلامیہ کامونکی (گوجرانولہ)

امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا مثالی اندازِ حکومت

آزادیٔ فکر، آزادیٔ اظہار، قانون کی بالا دستی، خود احتسابی، عدل وانصاف، قومی خزانہ کی حفاظت، خوشامدیوں سے دوری، ہدیے قبول کرنے سے انکار، سادگی، خوفِ خدا، رفقاء کی اچھے عہدوں پر تقرری، اصولِ مساوات اور عوام کی تنقید کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا ایک اچھے مسلمان حکمران کی بنیادی خصوصیات ہیں۔ اسلامی تاریخ کے نام ور حکمران خلیفۂ راشد حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ان تمام مذکورہ اوصاف سے متصف تھے اور آپ کو ان اصولوں پر عمل درآمد کرنے اور کرانے کے وسیع مواقع میسر آئے۔ ذیل میں ان کے زمانہ خلافت کی چند جھلکیاں پیش کی جاتی ہیں۔ یہ واقعات احقر نے سید عمر تلسانی کتاب ''عمر بن خطاب'' کے اردو ترجمہ اور ''الفاروق'' از علامہ شبلی نعمانی سے منتخب کیے ہیں۔

خود احتسابی:

آپ کے دل میں اگر کبھی کوئی پسندیدہ خیال آتا تو اسے سختی سے جھٹک دیتے، اپنے آپ کو ڈانٹ پلاتے اور اپنا محاسبہ خود کرتے تھے۔ ایک مرتبہ سورۃ عبس کی آیت فاکھۃ و اباً پڑھی تو دل نے کہا یہ ''ابا'' کیا ہے۔ فوراً سنبھلے اور دل سے کہا یہ تکلف کیوں؟ تجھے اگر یہ معلوم نہ ہو کہ ''ابا'' کیا ہے تو اس سے تیرا کون سا عمل ناقص رہ جائے گا یعنی قیامت کو جن باتوں کے بارے میں پوچھ ہوگی وہ معلوم ہیں تو اپنا عمل درست کرلو اور اس باز پرس کی فکر کرو۔

قانون کی بالادستی:

آپ نے فرمایا جس کسی پر کوئی امیر یا گورنر زیادتی کرے وہ مجھے اس کی اطلاع دے میں اس سے بدلہ دلواؤں گا۔ چنانچہ جب امراء کسی شخص پر زیادتی کرتے تو ضرور ان سے بدلہ دلوایا جاتا تھا۔ آپ نے بطور حاکم اپنی ذمہ داری اور رعایا کے بنیادی حقوق کا اعلان فرماتے ہوئے کہا ''اگر میرے کسی عامل نے کسی شخص پر ظلم کیا اور مجھے اس کی اطلاع مل گئی اور اس کے باوجود میں نے مظلوم کی دادرسی نہ کی تو سمجھو میں اس ظلم میں نہ صرف شریک ہوں بلکہ حقیقت میں ظلم کا مرتکب ہوں۔'' اس احساسِ فرض اور پاکیزہ تصور کا یہ نتیجہ تھا کہ آپ لوگوں کو تاکید فرمایا کرتے تھے کہ ظلم وزیادتی پر خاموشی اختیار کرنے کی بجائے وہ اس پر احتجاج کیا کریں تاکہ ظلم کا خاتمہ کیا جاسکے۔ یہ حاکم وقت کے فہم سلیم اور احساس ذمہ داری کی قابل رشک مثال ہے۔

قومی خزانہ کی حفاظت:

قومی خزانہ ایک امانت کی حیثیت رکھتا ہے۔ حاکم وقت اور ذمہ داران اس کے امین ہوتے ہیں اور اس کے بارے میں ان سے باز پرس بھی سخت ہوگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے ''بیت المال کے ساتھ میرا معاملہ ویسا ہی ہے جیسا یتیم کے مال کے ساتھ اس کے سرپرست کا ہوتا ہے۔ اگر میں محتاج ہوا تو حسبِ ضرورت بیت المال سے لوں گا۔ حالات

درست ہوگئے تو واپس کردوں گا اور اگر مالدار ہوگیا تو بیت المال سے کچھ نہ لوں گا۔ اس اہم اور نازک معاملہ کی مزید وضاحت یوں فرمائی ''اس بیت المال سے میں اسی قدر وصول کروں گا جس قدر میں اپنے کمائے ہوئے مال سے خرچ کیا کرتا تھا۔

خوشامد کی ممانعت:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حکومت کے اداروں کو اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ ان کی ذات کی تعریف میں رطب اللسان ہوجائیں۔ فرماتے تھے ممکن ہے میں تمہیں ایسے کاموں سے منع کروں جس میں تمہارا فائدہ اور مصلحت ہو اور تمہیں ایسے کاموں کا حکم دوں جس سے تمہیں نقصان ہونے کا احتمال ہو۔ اس لیے تم میری اصلاح کرتے رہا کرو۔

قحط سالی میں حضرت عمرؓ کا طرزِ عمل:

آپ جب رعایا کو کسی بات کا حکم دیتے تو خود اس پر پہلے کاربند ہوجاتے تا کہ عامۃ الناس کے لیے اچھا نمونہ پیش کریں۔ آپ نے لوگوں سے سادگی اور قناعت اختیار کرنے کا مطالبہ کیا تو خود اس کی بہترین عملی مثال بن گئے۔ قحط سالی میں اپنے لیے ہر وہ چیز ممنوع سمجھ لی تھی جس تک عام لوگوں کی رسائی ممکن نہ تھی۔ قحط کے زمانہ میں رعایا کی بھوک اور تنگی کا اس قدر احساس تھا کہ یوں معلوم ہونے لگا کہ اس فکر سے ہلکان ہوجائیں گے۔ یہ زمانہ پانچ چھے سال کے عرصہ پر محیط تھا۔ اس پورے دور میں آپ نے زندگی کی ہر پرلطف چیز کو خیر باد کہہ دیا تھا۔

ہدیہ قبول کرنے سے انکار:

ہدیہ لینا اور دینا اسلامی نقطۂ نظر سے جائز بلکہ مستحسن ہے مگر حکمرانوں کو عموماً ہدیے غلط انداز میں پیش کیے جاتے ہیں۔ صاف ستھرے نظامِ حکومت میں جہاں قانون کی حکمرانی ہو حکمرانوں کو ہدیوں سے کیا واسطہ؟ عام حکمران اگر بہت قابل رشک مثال بھی پیش کریں تو ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ اپنی ذات کے لیے تو ہدیہ قبول نہیں کرتے مگر اپنے اہل وعیال کے لیے بخوشی وصول کرلیتے ہیں۔ مگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا معاملہ یہ تھا کہ نہ تو اپنے لیے کوئی تحفہ قبول کرتے تھے اور نہ اپنے اہل وعیال کے لیے اور اگر کوئی عزیز ایسا ہدیہ قبول کرلیتا تھا تو اس پر مناسب انداز میں سرزنش فرماتے تھے۔

سادگی اور زہد:

آپ اتنے سادہ مزاج اور دنیاداری سے دور تھے کہ اپنی خلافت کے دور میں آپ حج کے لیے نکلے اور کوئی خیمہ نہیں لگایا۔ دھوپ سے بچنے کے لیے کسی جھاڑی کی اوٹ میں بیٹھ جاتے تھے۔ چمڑے کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ساتھ تھا کبھی اس سے سایہ کرلیتے تھے۔ تپتے ہوئے ریگستان میں وہ سایہ کیا حیثیت رکھتا تھا۔ آپ اس بات سے خائف تھے کہ اپنے لیے کوئی ایسا راستہ فراہم کریں جس کا مہیا کرنا رعایا کے ہر فرد کے لیے ممکن نہ ہو۔

اچھے رفقاء کی تلاش:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نوجوانوں کو ان کی صلاحیتوں کے مطابق ذمہ داریاں سونپ دیا کرتے تھے۔ اس سے ان میں خود اعتمادی بھی پیدا ہوتی تھی اور ان کی صلاحیتیں بھی مزید پروان چڑھتی تھیں۔ مثلاً آپ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو اپنی

مجلس میں بٹھایا کرتے اور مشکل مسائل میں ان سے مشورہ لیا کرتے تھے اور کئی مرتبہ ان کی رائے کو قبول کرلیا کرتے تھے۔ آپ ہر میدان کے لیے مردانِ کار کی تلاش میں رہتے تھے اور اپنی خداداد صلاحیتوں کی بدولت فوراً مناسب آدمی کو ڈھونڈ لیتے تھے۔

خوفِ خدا:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے بیت المال کے بارے میں اللہ سے بہت ڈرتے تھے۔ ایک مرتبہ حج کے لیے گئے اور مدینہ سے مکہ اور وہاں سے واپسی کا سفر صرف اَسّی درہم میں مکمل کرلیا۔ اس کے باوجود اپنا محاسبہ کرنے لگے اور کفِ افسوس ملتے ہوئے کہا ''ہم کتنے بےخوف ہوگئے ہیں کہ بیت المال میں اسراف کرنے لگے ہیں۔

اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دینا:

ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں کہیں سے مالِ غنیمت آیا۔ جس میں بہت سے قیمتی پارچہ جات تھے۔ آپ نے یہ سب صحابہ کرامؓ کو لباس دیا۔ ایک قیمتی حلہ بچ گیا تو آپ نے صحابہ سے کہا ''کسی ایسے نوجوان کی نشاندہی کرو جس نے ہجرت کی ہو اور اس کے باپ نے بھی ہجرت کی ہوتا کہ میں یہ حلہ اسے دے دوں۔ لوگوں نے بلاتوقف کہا عبداللہ بن عمرؓ۔ آپ نے فرمایا نہیں وہ تو اس کا مستحق نہیں ہوسکتا پھر آپ نے سلیط بن سلیطؓ کو حلہ عطا کردیا۔

مقدمات کے فیصلے اور انصاف کے تقاضے:

ارضی وسماوی ہر قانون میں ایک بنیادی اصول مسلم ہے کہ کوئی بھی فیصلہ اس وقت تک صادر نہ کیا جائے جب تک طرفین کی بات پوری طرح نہ سن لی جائے۔ شریعت اسلامیہ میں جب معاملہ مشتبہ ہوجائے تو حد جاری نہیں کی جاسکتی۔ ایک حدیث کی تاویل میں فقہاء اور مسلم ماہرین قانون نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ شک کا فائدہ ملزم کو دیا جائے۔ ایک جانب یہ عظیم اصول کارفرما ہیں اور دوسری جانب بدقسمتی سے مسلمان ممالک کے حکمرانوں نے دورِ انحطاط میں ان اصولوں کی دھجیاں بکھیر دی ہیں۔ کیا بلندی تھی اور اب کیا پستی ہے؟ شکوک وشبہات کو بنیاد بنا کر اپنے مخالفین کو فوری اور ناقابل برداشت سزائیں سنادینے کی ایسی ریت چلی ہے کہ خدا کی پناہ۔ استغاثہ کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ الزام کا ثبوت پیش کرے مگر ہمارے ممالک میں اس اصول کو الٹ دیا گیا کہ ملزم اپنی بے گناہی ثابت کرے۔ اگر ملزم اس سکھا شاہی نظام میں اپنی بے گناہی ثابت کربھی دے تو ضروری نہیں کہ عقوبت سے بچ نکلے کیوں کہ انصاف کا گلا گھونٹنے والوں سے انصاف کی توقع عبث ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا دورِ حکومت انصاف کے مذکورہ تقاضوں پر عمل درآمد کا آئینہ دار تھا۔

اصولِ مساوات:

اصولِ مساوات کی بنا پر وہ کسی شخص کے لیے کسی قسم کا امتیاز پسند نہیں کرتے تھے۔ ایک دفعہ ابی ابن کعبؓ سے کچھ نزاع ہوئی۔ زید بن ثابتؓ کے ہاں مقدمہ پیش ہوا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے تو انھوں نے تعظیم کے لیے جگہ خالی کردی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یہ پہلی ناانصافی ہے جو تم نے اس مقدمہ میں کی۔ یہ کہہ کر اپنے فریق کے برابر بیٹھ گئے۔ یہی بھید تھا کہ طرزِ معاشرت نہایت سادہ اور غریبانہ رکھی تھی۔ سفر وحضر میں، جلوت وخلوت میں، اور بازار میں کوئی شخص ان

کوکسی علامت سے پہچان نہیں سکتا تھا کہ یہ خلیفۂ وقت ہیں۔

آزادی اورحق گوئی کا قائم رکھنا:

اخلاق کی پختگی اوراستواری کا اصل سرچشمہ آزادی اورخودداری ہے۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر بہت توجہ کی۔آپ نے مختلف موقعوں پر تحریر وتقریر سے جتادیا کہ ہرشخص ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوا ہے اورادنیٰ سے ادنیٰ آدمی بھی کسی کے آگے ذلیل ہوکرنہیں رہ سکتا۔سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے معزز فرزند نے جب ایک قبطی کو بے وجہ مارا تو خوداسی قبطی کے ہاتھ سے مجمع عام میں سزادلوائی اورعمرو بن العاص اوران کے بیٹے کی طرف مخاطب ہوکر یہ الفاظ کہے: **مذ کم تعبدتم الناس وقد ولدتھم امھاتھم احرارا** یعنی تم لوگوں نے آدمیوں کوغلام کب سے بنالیا ان کی ماؤں نے توان کوآزاد جنا تھا۔

ایک دفعہ انھوں نے منبر پر چڑھ کر کہا صاحبو! اگر میں دنیا کی طرف جھک جاؤں تو تم لوگ کیا کروگے؟ ایک شخص وہیں کھڑا ہوگیا اورتلوار میان سے کھینچ کر بولا کہ تمہارا سراڑادیں گے۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے آزمانے کوڈانٹ کر کہا کیا میری شان میں تو یہ لفظ کہتا ہے۔اس نے کہاہاں تمہاری شان میں۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا الحمدللہ قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ میں کج ہوں گا تو مجھ کوسیدھا کردیں گے۔

تقسیم ہند کے بعد بھارتی کابینہ سے خطاب کرتے ہوئے مسٹر گاندھی نے غیرمسلم ہونے کے باوجود سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ کوخراجِ تحسین پیش کیا تھااوروزراء سے کہا تھا کہ اگرتم ابوبکرؓ وعمرؓ کی پیروی کروگے توایک کامیاب حکمران ثابت ہوں گے۔

آج وطن عزیز میں ہرسُو لاقانونیت کاراج ہے۔اقرباء پروری، ناقدین سے بے مروّتی ومظالم، روزافزوں مہنگائی قتل وغارت، چوری وڈکیتی، رشوت واستحصال کادوردورہ ہے۔سیاسی، معاشی ومعاشرتی سکون عنقا ہے۔کیا ہمارے سیاست دان بالخصوص حکمران ایک آئیڈیل مسلم حکمران کی خصوصیات سے بہرہ ور ہیں۔انھیں اپنے گریبانوں میں جھانکنے اوراپنی اصلاح کرنے کی ضرورت ہے تاکہ تاریخ میں انھیں اچھے الفاظ میں یاد کیا جائے اورعوام الناس سکھ کا سانس لے سکیں۔

☆☆☆

ماہانہ مجلس ذکرواصلاحی بیان

26 اگست 2007ء
جمعرات بعد نماز مغرب

ابن امیرشریعت
حضرت پیرجی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم
امیر مجلس احرار اسلام پاکستان

دارِ بنی ہاشم
مہربان کالونی ملتان

الداعی سید محمد کفیل بخاری ناظم مدرسہ معمورہ دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان
061-4511961